یہیں کانفرنس میں ہوئی ۔ برہان اور میری کتابوں کے ذریعہ مجھ سے واقف پہلے [illegible]
اس طرح ملیں کہ گویا برسوں کی دیرینہ ملاقات تھی۔ پھر جتنے دن کانفرنس رہی ان سے بار بار
ملاقات اور گفتگو ہوتی رہی، کبھی اردو میں اور کبھی عربی میں، شیریں گفتار ہونے کے ساتھ
بذلہ سنج بھی ہیں، اب سوا دو ماہ کے بعد ان سے دوبارہ ملاقات ان کے وطن میں ہوئی تو
حسب معمول بڑے تپاک سے ملیں اور بولیں: بھئی دلّی کی کانفرنس میں آپ اپنا مقالہ سنا
نہیں سکے تھے اور دلی کے قیام کے دنوں میں ہم مصروف بھی بہت رہے، پڑھنے کا موقع
ملا ہی نہیں، مگر پاکستان واپس آکر میں نے اور ادریس صاحب نے آپ کا مقالہ (یہ وہی
مقالہ "اسلامی قانون عہد حاضر میں" ہے جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر حامد علی خاں کے قلم سے
پچھلے دنوں برہان میں دو قسطوں میں شائع ہو چکا ہے) پڑھا تو طبیعت بڑی خوش ہوئی، بڑا
فکر انگیز مقالہ ہے۔

پروفیسر عبدالرحمٰن ڈوئی | اصلاً گجراتی ہیں مگر ایک عرصہ سے نائیجیریا میں مقیم ہیں اور اب
متوطن ہو گئے ہیں، آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ ہیں اور آج کل مرکز دراساتِ قوانین اسلامیہ،
احمد بیلو یونیورسٹی آف زاریا (نائیجیریا) کے ڈائرکٹر ہیں، بڑے فاضل اور قابل ہونے کے ساتھ
بڑے جذبہ کے مسلمان بھی ہیں، چند برس ہوئے ان کے انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے چند اسامیوں
کا اعلان ہوا تھا اور ان کے لیے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے بعض اساتذہ شعبۂ قانون نے درخواستیں
بھیج رکھی تھیں، عبدالرحمٰن صاحب ڈوئی ان حضرات سے انٹرویو لینے کی غرض سے علی گڈھ تشریف
لائے اور وائس چانسلر خسرو صاحب سے درخواست کی کہ وہ انٹرویو کے لیے ایک انتخابی
کمیٹی بنا دیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کمیٹی پر سعید احمد اکبرآبادی کا نام ضرور ہونا چاہیے۔"
خسرو صاحب نے تعجب سے پوچھا: آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟ بولے: جس سال وہ کناڈا میں
تھے میں بھی تھا اور وہاں میں نے ان کے متعدد لکچر سنے ہیں، غرض اس طرح میری اور ان کی
پہلی ملاقات سلکشن کمیٹی کے جلسہ میں ہوئی اس کے بعد متعدد انٹرنیشنل کانفرنسوں میں ملتے رہے،

یہاں پھر ملاقات ہوئی تو بڑے تپاک سے پیش آئے، اور فرمایا: آپ نے علیگڈھ میں ... تھا کہ اسلامی قانون میں مہارت عربی کی اچھی استعداد کے بغیر کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ بات ... کو لگ گئی اور اسے میں نے گرہ میں باندھ لیا ہے۔

... حضرات کے علاوہ بنگلہ دیش کے ڈاکٹر سید محمد امام الدین (ڈھاکہ یونیورسٹی) ... ڈاکٹر احترام امام جو اصلاً بہار کے باشندہ تھے، لیکن برسوں سے سیلون میں مقیم ہیں اور شادی بیاہ کر کے وہیں کے شہری ہو گئے ہیں، ملے، دونوں ملے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے، لیکن امام الدین صاحب سنجیدہ اور کم گو بزرگ ہیں، البتہ احترام امام صاحب بڑے دلچسپ اور خوش گفتار شخص ہیں، ہر موضوع پر خود اعتمادی اور معلومات کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

فہم قرآن

مؤلفہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی

... انسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور قرآن مجید کا صحیح منشا معلوم کرنے کے لیے ... اسلام کے اقوال و افعال کا معلوم کرنا کیوں ضروری ہے۔ احادیث کی تدوین ... ہوئی؟ آنحضرت سے روایت کرنے والے صحابہ مثلاً ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے ... مدونین کرام کی بے لوث خدمات علم و مذہب کو بھی اثر انگیز پیرایہ میں بیان کیا ... قرآن ایک خاص رنگ کی علمی تبلیغی اور اصلاحی کتاب ہے جو خاص طور پر جدید ... رجحانات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث کے ... اس کتاب کا مطالعہ بصیرت افروز ہوگا، صفحات ۲۰۰ قیمت /۱۲ روپے، مجلد /۱۶

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

وشوابھارتی یونیورسٹی کے

فارسی، عربی اور اُردو مخطوطات

مولانا عبدالوہاب بدرستوی، سنٹرل لائبریری، وشوابھارتی یونیورسٹی،
شانتی نیکیتن۔

(۲)

غزلیات ظہیر فاریابی | صفحات ۱۹۲، جن میں از ابتدا تا ص۱۸۳ غزلیات، ص۱۸۴ پر ایک رباعی، ص۱۸۵ تا ص۱۸۶ بیدل عظیم آبادی کی غزل کے تین بند اور آخر کے صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۲ بیاض ہیں۔ کتاب خوشخط اور ہر صفحہ زرافشاں وسنہری لائنوں سے گھرا ہوا ہے، کاتب محب علی، سال کتابت مرقوم نہیں ہے۔

نسخہ بظاہر نہایت ہی دیدہ زیب اور صاف ہے لیکن اوراق اس قدر خستہ اور قدامت زدہ ہیں کہ اگر ذرا سی بے احتیاطی سے ورق گردانی ہو تو جسامِ اوراق سلامت نہیں رہیں گے غنیمت یہ ہے کہ کتب خورِ حراتیم کے حملوں سے محفوظ ہیں۔ حیرت ہے کہ اس کے ساتھ ہی ہلالی استرابادی کی مثنوی شاہ وگدا بھی مجلّد ہے لیکن اس بیچاری پر ظالم کیڑوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا ہے۔

یہ غزلیات بترتیب حروف تہجی مرتب ہیں۔ حرف الیاء کے بعد ہی تین رباعیاں ہیں۔ غزلیات کا ہر بند "ولہ ایضاً" "ولہ غفر اللہ لہ" "ولہ طاب اللہ لہ" جیسے جملوں سے بطور عنوان شروع ہوتا ہے۔

قصائد ظہیر فاریابی | صفحات ۴۸، آخر ناقص، کتابت بخطِ شکستہ، کاتب اور تاریخ کتابت

دریدہ ہیں۔ یہ نسخہ جابجا کرم خوردہ ہے۔ یہ قصائد سلطان قزل ارسلان، نصرۃ الدین ابوبکر بن محمد، طغان شاہ ثانی سے متعلق ہیں نیز سیف احمد اور صدرجہان شرف الملک تاج الدین کی مدح بھی شامل ہے۔ بین السطور مشکل الفاظ کے معانی آسان فارسی میں لکھے ہوئے ہیں۔ یہ قصائد حروف تہجی کی ترتیب سے بے نیاز ہیں۔

حقیقت میں ظہیر کی ذہنی یادگار صرف ایک دیوان ہے جس میں قصائد، غزلیات، رباعیات، مقطعات اور ترجیع بند بھی شامل ہیں جس کے متعلق حمداللہ مستوفی قزوینی (متوفی ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء) نے لکھا ہے کہ اس دیوان کو ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں شمس کاشی (متوفی ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء) نے جمع کیا[1] حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) نے جامع دیوان کا پورا نام شمس الدین السحاسی تحریر کیا ہے[2] اور مسٹر ہرمن اتھے (Hermann Ethe) کی تحریر کے مطابق یہ دیوان ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں کلکتہ سے طبع ہو چکا ہے[3]۔ مذکورہ دیوان سے "قصائد" بھی الگ صورت میں ہندوستان سے طبع ہو چکے ہیں۔ جو یہاں نورلکشور لکھنؤ سنہ ۱۹۲۶ء کا مطبوعہ بھی موجود ہے جس کے پیش نظر قلمی قصیدہ کا جب موازنہ کیا گیا تو کافی فرق نظر آیا۔ مصرعوں اور اشعار کی کمی و زیادتی، الفاظ کا اختلاف بھی بکثرت موجود ہے۔ اس فرق کے علاوہ مطبوعہ میں ہر قصیدہ کا الگ الگ مستقل عنوان ہے لیکن اس قلمی نسخہ میں صرف لفظ "قصیدہ" ہی کا عنوان از ابتدا تا آخر کتابت کیا گیا ہے۔

حیات ظہیر: — ظہیر الدین ابوالفضل طاہر بن محمد فاریابی پورا نام، پیدائشی وطن قصبہ فاریاب۔ یہ مقام صوبہ بلخ کے شہر جوزجان کے قریب واقع تھا۔ دور شباب تک وطن ہی پر تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر نیشاپور چلا آیا، یہاں ۶ سال تک رہا اور مزید مختلف علوم و فنون میں

---

[1] تاریخ گزیدہ جلد اول: ص ۸۲۱ - [2] کشف الظنون جلد اول: ص ۵۱۵ - [3] فارسی کٹلاگ انڈیا آفس لائبریری لندن، جلد اول: ص ۵۹۴ -

کافی دستگاہ پیدا کی۔ اس کے بعد ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء میں عراق گیا۔[1] دولت شاہ سمرقندی (متوفی ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) نے بھی لکھا ہے کہ وہ ابتداءً فاریاب سے نیشاپور آیا۔[2] ظہیر کے استاذ اپنے وقت کے مشہور شاعر اور صاحبِ علم و فضل رشیدی سمرقندی تھے جنھوں نے قصہ "مہر و وفا" منظوم تصنیف کیا تھا۔[3]

ظہیر قصیدہ گوئی کا بڑا باکمال شاعر مانا جاتا ہے، بعض اہلِ علم اِسے انوری (متوفی ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء) سے برتر قصیدہ گو مانتے ہیں۔ ملکۂ شعر و شاعری کے علاوہ نجوم و حکمت میں بھی بہت اچھی صلاحیت رکھتا تھا جس کی وجہ سے قوم نے صدر الحکماء کا خطاب عنایت کیا تھا۔ زبان عربی کی تعلیم حاصل کی تو اس میں بھی پوری دستگاہ پیدا کر لی جس کا نمونہ وہ اشعار ہیں جو دیوان میں جا بجا موجود ہیں۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی نے عربی کے دو اشعار نقل کیے ہیں جن میں فارسی کے حرف دال اور ذال کے فرق کی وضاحت کی ہے:

"اعرف الفرق بین دالٍ و ذالٍ ... وھی اصلٌ بالفارسیۃ معظم
کل ما قبلہ سکونٌ بلا واوٍ ... فذال و ما سواہ فمعجم۔"[4]

خود ظہیر کے جو قصائد ہیں ان میں بھی عربی اشعار پائے جاتے ہیں لیکن افسوس کہ جن علوم نجوم و حکمت پر اسے صدر الحکماء کا خطاب ملا تھا اس پر کوئی تصنیف معلوم نہیں ہوتی۔

دولت شاہ سمرقندی لکھتے ہیں کہ ظہیر جب نیشاپور سے بغرض سیاحت اصفہان گیا تو اُن دنوں یہاں صدر الدین عبداللطیف خجندی قاضی القضاۃ تھے جن کے علم و فضل کی شہرت سن کر حصولِ شرف زیارت کے لیے قاضی موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ علماء و فضلاء کا ایک اژدحام قاضی محترم کے اردگرد لگا ہوا ہے تو وہ بھی سلام کر کے

---

[1] دائرۃ المعارف ایران، چوتھا ایڈیشن ۱۹۶۰ء: ص ۵۴۴۔ [2] تذکرۃ الشعراء: ص ۱۱۰
[3] ایضاً۔ [4] تاریخ گزیدہ جلد اول: ص ۸۲۲۔

مسکین صورت ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ پھر متعدد بار قبلہ قاضی کی توجہ اپنی جانب منعطف کرانے کی تدبیریں کیں لیکن حضرت نے جب باریابی نہ دی تو مایوس اور بدظن ہوکر برجستہ ایک قطعہ لکھا اور قاضی موصوف کے ہاتھ میں تھما کر واپس لوٹ گیا۔ قطعہ:

"بزرگوارا دنیا ندارد آں عظمت — کہ ہیچ کس را زیبد بداں سرفرازی
شرف بفضل و ہنر باشد و ترا ہمہ ہست — بدیں نعیم مزور چرا ہمی نازی
ز چیست کاہل ہنر را ہمی کنی تمیز — تو نیز ہم بہنر در زمانہ ممتازی
بمن نگہ تو بہ بازی مکن از آنکہ بفضل — دلم بگیسوی حوران نمی کند بازی
اگر چہ نیست خوشت یک سخن زمن بشنو — چنانکہ آں را دستور حال خود سازی
توایں سپر کہ ز دنیا کشیدۂ در رو — بروز عرض مظالم چناں بیندازی
کہ از جواب سلامی کہ خلق را بر تست — بہیچ مظلمہ دیگری نپردازی"[1]

ظہیر کے واپس ہوتے وقت قاضی صاحب نے توجہ فرمائی اور اسے منانے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے اپنی خودداریٔ طبع کی بنا پر اصفہان میں مزید قیام گوارا نہ کیا۔ وہاں سے آذربائیجان[2] چلا گیا۔

ابتداءً ظہیر جب فاریاب سے نیشاپور آیا تھا تو اس عرصے میں وہاں کا حاکم طغان شاہ ثانی (عہد حکومت ۵۶۹ - ۵۸۱ھ / ۱۱۷۳ - ۱۱۸۵ء) تھا جس نے اس شاعر کی قدر افزائی کی۔ ایک بار طغان شاہ فیروزہ کی کان دیکھنے گیا، ساتھ میں ظہیر بھی تھا۔ شاہ نے ایک قصیدہ کی فرمائش کی، ظہیر نے حسب حال وہیں بقافیۂ گوہر ایک طویل قصیدہ فی البدیہہ کہہ ڈالا۔ جس کے دو اشعار دولت شاہ نے نقل کیے ہیں:

"عزازت لعل شکربار و در میاں گوہر — میان لعل چرا کردۂ نہاں گوہر
بخندہ چوں لب یاقوت رنگ بکشائی — زشرم زرد شود ہمچوں زعفراں گوہر"[3]

---

[1] تذکرۃ الشعراء: ص ۱۱۲۔ [2] یہ علاقہ اب سوویت روس کے قبضہ میں ہے۔
[3] تذکرۃ الشعراء: ص ۱۱۱۔

لیکن اس بادشاہ سے بعد میں بدظن ہوکر نیشاپور سے اصفہان چلا گیا تھا جہاں قاضی القضاۃ خجندی کی ذات نے بھی ظہیر نے سند دیا جس کا ذکر پچھلے صفحہ پر گذر چکا ہے۔ غرضیکہ اصفہان سے آذربائیجان گیا جہاں اتابک مظفر الدین محمد بن ایلدگز (عہد حکومت ۵۶۸-۸۲ھ / ۱۱۷۲-۸۶ء) فرمانروائی کر رہا تھا۔ یہاں ظہیر دس سال تک رہا۔ بالآخر اس حاکم سے بھی اس کی نہ نبھ سکی چنانچہ ایک شکایت نامہ لکھ کر بھیج دیا۔

"شاید کہ بعد خدمتِ دہ سال در عراق　　نانم ہنوز خسرو ما زندراں دہد"[1]

محمد بن ایلدگز کی وفات کے بعد جب اس کا بھائی قزل ارسلان (عہد حکومت ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء تا ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء) عراق اور آذربائیجان کا حاکم ہوا تو ان ایام میں قزل ارسلان کا برادر زادہ (محمد بن ایلدگز مرحوم کا لڑکا) ابوبکر چاہتا تھا کہ ظہیر اس کا مقرب اور مخصوص شاعر بن جائے۔ ادھر ظہیر قزل ارسلان کی درباداری سے تنگ آ چکا تھا اور ابوبکر کی جانب مائل تھا، بس صرف ایک اشارہ کا منتظر تھا۔ چنانچہ جب ابوبکر کی جانب سے ہمت افزائی ہوئی تو قزل ارسلان کے دربار سے نکل کر ابوبکر کے زیرِ سایہ آگیا۔ ظہیر کے اس عمل سے قزل ارسلان کے "آبگینہ" دل کو سخت ٹھیس لگی جس کا عوض اس نے ایک دوسرے شاعر مجیر الدین بیلقانی (متوفی ۵۸۶ھ / ۱۱۹۰ء) کو اپنا مقرب خاص بنا کر دینا چاہا۔ وہ اس طرح کہ شاعر بیلقانی کو ایسے ایسے انعامات و عطیات سے نوازتا رہا کہ جنھیں ظہیر دیکھ دیکھ کر آتشِ حسد میں تڑپتا رہے۔ دولت شاہ لکھتے ہیں:

"ہر ہفتہ اورا جامۂ کمخواب و اطلس بخشیدی و مجیر آں را بتفاخر پوشیدی و فضلاء آں رعونت را پسندیدہ نداشتندے"[2]

اس قدر افزائی پر ظہیر براہ راست قزل ارسلان کو تو کچھ نہ کہہ سکا لیکن مجیر بیلقانی کے بارے میں جو کچھ دیا وہ بالواسطہ قزل ارسلان کی عنایتوں پر زبردست چوٹ تھی۔

---

[1] تذکرۃ الشعراء: ص ۱۱۳۔ [2] ایضاً: ص ۱۱۰۔

"گر دیبا ای فاخر آدمی گردد کے   پس دراطلس چیست گرگ و درعبائی سرسمار"[۱]

ظہیر کا آخری حکمراں ممدوح اتابک ابوبکر تھا جو اپنے چچا قزل ارسلان کے مقتول (۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء) ہونے کے بعد تبریز پر فرماں روائی کر رہا تھا۔ اسی کے زمانے میں ظہیر نے سلاطین، امرا اور وزرار کی دریارداری سے بے نیاز ہو کر علمی مشغلہ اختیار کر لیا اور اسی شغل کے ساتھ ۵۹۸ھ/۱۲۰۱-۱۲۰۲ء میں بمقام تبریز انتقال کیا۔

سالِ وفات میں اختلاف ہے: حاجی خلیفہ نے ۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء[۲] مولانا غلام علی آزاد بلگرامی مرحوم (متوفی ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) نے بروایت دولت شاہ ۵۵۸ھ/۱۱۶۲ء دبحوالہ ہفت اقلیم مصنفہ امین احمد رازی (متوفی ۱۲ ویں صدی ہجری) ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء[۳] - اور مولانا شبلی نعمانی مرحوم (متوفی ۱۹۱۴ء) نے ۵۶۳ھ/۱۱۶۷ء و دولت شاہ کے حوالہ سے ۵۵۸ھ/۱۱۶۲ء تحریر کیے ہیں[۴]۔ لیکن یہ مذکورہ تاریخیں چند وجوہات کی بنا پر محلِ نظر ہیں۔

حاجی خلیفہ مرحوم (متوفی ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) کی کتاب "کشف الظنون" کا جو پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء پیشِ نظر ہے اس میں کئی جگہ خامیاں نظر آتی ہیں۔ خلیفہ مرحوم کی اہم تحقیقی تصنیف کے بارے میں کسی اعتراض یا شبہہ کی اپنے اندر نہ ہمت ہے اور نہ اہلیت لیکن کتابت و طباعت کی خامیوں کو نشانہ ضرور بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً جامی کی دفات کا سال کہیں ۷۹۸ھ، کہیں ۸۹۸ھ اور کسی جگہ ۶۹۸ھ درج ہے۔ اور نظامی گنجوی کا سال وفات ۵۹۹ھ، ۵۷۶ھ اور ۵۹۷ھ طبع ہو گیا ہے۔ آزاد بلگرامی مرحوم اور مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے معلوم نہیں دولت شاہ کے "تذکرۃ الشعراء" کے کس نسخہ رقامی یا مطبوعہ ایڈیشن سے مذکورہ سال لکھا ہے۔ حالانکہ اسی تذکرۃ الشعراء کا وہ ایڈیشن جسے پروفیسر براؤن (متوفی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے

---

[۱] تذکرۃ الشعراء ص ۱۱۰ [۲] کشف الظنون جلد اول: ص ۵۱۵ - [۳] خزانۂ عامرہ: ص ۳۴۷ - [۴] شعر العجم جلد پنجم: ص ۳-

مرتب کیا ہے[۱] اور ایک جدید ایرانی ایڈیشن جسے محمد رمضانی نے ترتیب دیا ہے[۲]۔ یہ دونوں ہی ایڈیشن سامنے ہیں۔ ان میں ۵۹۸ھ ہی لکھا ہے۔ رہ گئی مصنف "ہفت اقلیم" کی رائے، افسوس ہے کہ یہ کتاب یہاں موجود نہیں کہ اس کے بارے میں کچھ عرض کیا جا سکے۔

سالِ وفات ۵۹۸ھ ۱۲۰۱-۲ء کی حمایت میں ذیل کے شواہد ہیں:

حمداللہ مستوفی قزوینی (تاریخ گزیدہ)، رضا قلی خاں ہدایت (مجمع الفصحاء)، پروفیسر ذبیح اللہ ایرانی[۳]، ڈاکٹر رضا زادہ شفق (تاریخ ادبیات ایران)، دائرۃ المعارف ایران، ہرمن ایتھے، چارلس ریو، ڈبلو۔ ادانو، مسٹر طامس ولیم بیل (مفتاح التواریخ) اور ان کے علاوہ متعدد اہم مصنفین۔ خود ظہیر کے حالاتِ زندگی اور مختلف حکمرانوں کے ساتھ وابستگی کی جو مدتیں مختلف حوالہ جات سے پیش کی گئی ہیں انھیں سے صاحبِ نظر اندازہ کر سکتے ہیں۔

غرض یہ کہ ظہیر کی پوری حیات کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فطرتاً وہ نازک مزاج تھا۔ کوئی بھی ایسا سلوک یا برتاؤ جو اس کی افتادِ طبع کو ٹھیس پہنچائے، ناقابلِ برداشت تھا جس کا جواب وہ کسی نہ کسی صورت میں دیے بغیر بخشتا نہیں تھا۔ چاہے کسی امیر، وزیر اور حکمراں سے متعلق ہو یا کسی قاضی، عالم اور شاعر سے واسطہ ہو۔ دورِ حاضر کے کچھ ایرانی اہلِ قلم اسے مغرور اور متکبر کہتے ہیں:

"ہیچیک از معاصران خود را بچیزی نمی گرفت و خود را برتر از ہر کس می دانست"[۴]

۱۔ مطبوعہ لوزک اینڈ کمپنی، لندن سنہ ۱۹۰۱ء ۲۔ چاپخانہ خاور، تہران ۱۳۳۸ شمسی۔

۳۔ موصوف کی تصنیف کا نام "مختصری در تاریخ تحول نظم و نثر فارسی" جس کا اردو ترجمہ بنام "فارسی ادب کے ارتقاء کی مختصر تاریخ" محترمہ عندلیب زہرا کاظمی پوری نے کیا ہے۔

۴۔ دائرۃ المعارف ایران: ص ۲۰۰

مجمع الفرس | مؤلفہ محمد قاسم سروری بن حاجی محمد کاشانی، صفحات ۷۸۲، سائز کلاں، کتابت
نستعلیق، کاتب اور سنِ کتابت مذکور نہیں۔ صفحہ اول کے اوپری گوشے پر ایک تحریر انگریزی میں تین
سطری ہے جس کا پڑھنا در دسری اور جنتم سوزی ہے خود پڑھنے کی کوشش کی دیگر انگریزی داں
احباب سے مدد لی پھر بھی عقدۂ تحریر پورا حل نہ ہو سکا۔ صرف ذیل کے چند الفاظ معلوم ہوتے
ہیں:

"پہلی سطر: (سروری) Sururi.........

دوسری سطر: (ہیری این۔ ڈاؤٹ) Harry N. Dautt

تیسری سطر: (۲۷ مئی ۱۷۹۴ء) 27th May 1794......"

دوسری سطر میں کسی یورپین کا نام معلوم ہوتا ہے جس کی ملکیت میں غالباً یہ نسخہ رہا ہوگا اور تیسری
سطر وہ سال ہے جب کہ نسخہ ہذا موصوف کی ملکیت میں تھا۔ مذکورہ سال سے کم از کم یہ اندازہ
ہو جاتا ہے کہ تقریباً دو سو سال قبل اس نسخہ کی کتابت ہوئی ہے۔

یہ کتاب "لغات سروری" یا "فرہنگ سروری" کے نام سے بھی متعارف ہے جسے شاہ
عباس اول شہنشاہ ایران (عہد ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء تا ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء) کے زمانے میں بسال ۱۰۰۸ھ / ۱۶۰۰-۱۵۹۹ء
مصنف موصوف نے اپنے اصفہان کے دورانِ قیام ترتیب دی اور شاہ موصوف ہی کے نام
سے معنون بھی کی۔ تکمیلِ تالیف کے سلسلے میں سروری نے حسب ذیل ۱۶ متولہ کتب سے استفادہ کیا
جن کی فہرست اپنے مقدمہ میں درج کی ہے:

۱۔ شرف نامہ احمد منیری (متوفی ۸۸۲ھ / ۱۴۷۷-۸۱ء) مرتب ابراہیم قوام فاروقی (سالِ تصنیف ۸۷۸ھ / ۱۴۷۳-۷۴ء)
۲۔ معیار جمالی۔ مصنفہ شمس فخری (شمس الدین محمد فخری اصفہانی) (سالِ تصنیف ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء)
۳۔ تحفۃ الاحباب مصنفہ حافظ اوبہی
۴۔ نسخہ حسین وفائی (فرہنگ وفائی) (سالِ تصنیف ۹۳۳ھ / ۱۵۲۶-۲۷ء)
۵۔ رسالہ ابو منصور علی بن احمد الطوسی (سالِ تصنیف ۴۵۸ھ / ۱۰۵۸ء اور ۴۶۰ھ / ۱۰۶۸ء کے درمیان)

۶- نسخہ مرزا ابراہیم بن مرزا شاہ حسین اصفہانی۔

۷- رسالہ محمود ہندو شاہ

۸- مؤید الفضلاء محمد لاد (محمد لاد) (سال تصنیف ۹۲۵ھ / ۱۵۱۹ء)

۹- شرح سامی فی الاسامی (ابوالفضل میدانی) (سال تصنیف ۴۹۷ھ / ۱۱۰۴ء)

۱۰- رسالہ ابوحفص سغدی (مصنف گیارہویں صدی ہجری (۱۷ ویں صدی عیسوی) کے ہیں)

۱۱- اداۃ الفضلاء قاضی خان بدر محمد دہلوی (سال تصنیف ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء)

۱۲- جامع اللغات منظوم نیازی حجازی

۱۳- نسخہ .... (نقطوں والے الفاظ صاف نہیں ہیں)

۱۴- ترجمۂ صیدنہ ابوریحان بیرونی

۱۵- نسخہ لطف الدین یوسف حلمی

۱۶- لسان الشعراء

مذکورہ بالا فہرست کتب کے ساتھ توسین میں جو مصنفین کے نام اور سالِ تصنیف درج ہیں وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد چہارم، نیو ایڈیشن صفحات ۵۲۵ تا ۵۲۶ سے ذکر کیے گئے ہیں۔

سروری نے خود ہی اس لغت کی تلخیص بنام "خلاصۃ المجمع" ۱۰۰۸ھ / ۱۶۰۹ء میں مرتب کی تھی[1] اس کے بعد ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء میں فرہنگ جہانگیری[2] کی بنیاد پر اور شامل اللغۃ[3] اور تحفۃ السعادت[4] کی مدد سے

[1] لغت نامہ دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۲۲، حرف س: ص ۳ و ۴۴۔ [2] اس لغت کے مصنف جمال الدین حسین انجو ہیں جو شیراز کے ایک سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عہدِ اکبری میں ہندوستان آئے اور اکبر کے دربار میں اعلیٰ منصب سے سرفراز کیے گئے۔ اکبر ہی کے عہد میں مصنف نے اپنی اس لغت کی تالیف شروع کی تھی لیکن تکمیل سے قبل ہی جب اکبر کی وفات ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء میں ہوگئی اور جہانگیر تخت شاہی پر متمکن ہوا تو ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء میں مکمل کر کے جہانگیر کے نام سے موسوم کر دی۔ (بقیہ ص ۱۵۱ پر اور حاشیہ ۳ و ۴ بھی)